عالم اسلام

زندگی کے چوراہے پر

(ایک بلند پایہ تصنیف کا خلاصہ خود مصنّف کے قلم سے)

پیش نظر مضمون عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر اور داعی مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حال ہی میں اپنی مطبوعہ کتاب "اسلامیت اور مغربیت میں کشمکش" کے حرفِ آخر کے طور پر لکھا ہے۔ اور گویا پوری تصنیف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا موصوف نے یہ حصّہ اشاعت سے قبل "الحق" کیلئے ارسال فرمایا ہے۔ اس وقت عالم اسلام جن فکری تہذیبی اور ملّی مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور مغربیت تجدّد اور الحاد و ارتداد کا سیلاب جس تیزی سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے فاضل مضمون نگار نے نہ صرف اس سے نکلنے بلکہ مسلمانوں کی اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کی بھی نہایت درد و سوز سے نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ پورے عالم اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ کاش! اس سرود ازلی سے ہم بیدار ہوں اور پورے جوش اور ولولہ سے اپنی بربادی کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔ (سمیع الحق)

★

یہ بات کتنی ہی تلخ اور ناخوشگوار ہو، لیکن یہ امر واقعہ ہے، کہ عالم اسلام مجموعی طور پر خود شناسی اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہے۔ اس وسیع (اسلامی) دنیا میں جو ملک آزاد ہیں (خواہ وہ صدیوں سے آزاد چلے آرہے ہوں، یا انہوں نے ماضی قریب میں آزادی حاصل کی ہو) وہ بھی ذہنی اور علمی حیثیت سے مغرب کے اسی طرح سے غلام ہیں، جسطرح ایک ایسا پسماندہ ملک غلام ہوتا ہے جس نے غلامی ہی کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا ہے۔ بعض اوقات ان ملکوں کے سربراہ سیاسی میدان میں قابل تعریف اور بعض اوقات خطرناک حد تک جرأت و ہمت کی بات کرتے

ہیں۔ اور بعض اوقات مہم جوئی اور اپنے ملک کی بازی تک لگا دینے سے باز نہیں آتے، لیکن فکری، تہذیبی اور تعلیمی میدان میں ان سے اتنی بھی خود اعتمادی، انتخاب کی آزادی، اور تنقیدی صلاحیت کا اظہار نہیں ہوتا، جتنی کہ کسی ایک عاقل، بالغ انسان سے توقع کی جاتی ہے، حالانکہ فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ کہ فکری، تہذیبی اور تعلیمی غلامی، سیاسی غلامی سے زیادہ خطرناک، عمیق اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور اسکی موجودگی میں ایک حقیقت پسند، فاتح قوم کے نزدیک سیاسی غلامی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں جب دنیا دو عظیم عالم گیر جنگوں سے گذر چکی ہے اور تیسری جہاں سوز جنگ کے بادل امنڈ رہے ہیں، اور کسی ملک کا کسی ملک کو غلام بنانا اور اسکی مرضی کے خلاف اس پر قبضہ رکھنا ایک ناقابلِ فہم اور ناممکن العمل سی بات سمجھی جانے لگی ہو، دنیا کی بڑی طاقتیں اب روز بروز سیاسی اقتدار کی بجائے ذہنی وتہذیبی اقتدار اور یکسانی و ہم رنگی پر قانع ہوتی چلی جائیں گی۔

مغرب کے اس ذہنی اور تہذیبی اقتدار اور اصولی و نظریاتی وحدت کو دنیا میں اگر کوئی طاقت دعوت چیلنج کر سکتی تھی، اور اسکی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی، تو صرف عالمِ اسلام کی جداگانہ شخصیت، اسکی ذہنی و اخلاقی دعوت، اور اس کا فلسفۂ زندگی تھا، لیکن ایک طرف ان تاریخی عوامل کی بنا پر جن کی ہم نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں تشریح کی ہے۔ عالمِ اسلام مغرب کی ابھرتی اور پھیلتی ہوئی طاقت سے آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، اور جو طبقہ اس دورِ انقلاب میں اسکی قسمت کا مالک بنا ہوا تھا، وہ جیسا کہ ہم نے ایک پچھلے باب میں بیان کیا ہے، تمام تر مغرب کا نہ صرف خوشہ چین، بلکہ دایۂ مغرب کا شیر خوار بچہ تھا، جس کا (ذہنی) گوشت پوست اسی کے دودھ، اور اسی کے خونِ جگر سے تیار ہوا تھا، دوسری طرف ان اسلامی ملکوں کے عوام وجمہور میں ایمان وعقیدہ کا جو اثر اخلاقی رکھ رکھاؤ، معاشرتی روایات کا احترام، اور نفس کی ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی جو بچی کھچی طاقت تھی (جس سے مغرب عرصہ ہوا محروم ہو چکا ہے۔) اسکو مغرب نے ان مختلف ذرائع سے، جن میں سے بعض بظاہر نہایت معصوم اور فیاضانہ ہیں، اور بعض نہایت مسموم اور مجرمانہ ہیں، ڈائینامیٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تعلیمی میدان میں یونیسکو کی اعانت و سرپرستی اور ماہرینِ فن کی منصوبہ بندی کے ذریعہ کبھی مغربی اساتذہ اور ماہرینِ تعلیم کے ذریعہ، کبھی اس تشکیکی، انتشار پسند اور ہیجان انگیز لٹریچر کے ذریعہ جو ایک سیلاب کیطرح عالمِ اسلام میں پھیلتا جا رہا ہے۔ کبھی معیارِ زندگی بلند کرنے، اور زندگی کو خوشگوار، اور پُرمسرت بنانے کے بہانے ٹیلیویژن کو گھر گھر عام کرنے کے ذریعہ

اس طاقت کو برابر مفلوج کیا جا رہا ہے۔ کبھی ان پسماندہ ملکوں کو جو فیاضانہ امدادیں دی جاتی ہیں، ان کی شرائط کے طور پر ان ملکوں کی حکومتوں سے ایسی تبدیلیوں اور اصلاحات کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جو ان مسلم عوام کا مزاج، اور ان کا نظام معاشرت بدل دینے کیلئے ایک کارگر حربہ ثابت ہوتی ہیں۔ غرض مغرب نے دور رہتے ہوئے بھی ان ملکوں کے گرد ایسا گھیرا ڈال دیا ہے۔ اور ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں۔ کہ غلامی کے کہنہ اور فرسودہ طریقوں سے کہیں زیادہ یہ آزاد ملک مغربی طاقتوں کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار ہیں، اور اکبر مرحوم کے اس پرانے شعر کی ایک، ایسی وسیع اور پراز حقیقت تشریح سامنے آ رہی ہے جو شاید خود شاعر کے وہم و گمان میں نہ تھی ؎

کس رہے ہیں اپنے منقاروں سے حلقہ جال کا   طائروں پر سحر ہے، صیاد کے اقبال کا

ان تبدیلیوں یا "اصلاحات" کے نفاذ میں ان ملکوں کے سربراہ جن میں سے بعض اسلام کا دم بھی بھرتے ہیں بعض ایک عالمگیر اسلامی طاقت اور اسلامی بلاک کی باتیں بھی کرتے ہیں، اسطرح سرگرم اور مستور نظر آتے ہیں، جس سے زیادہ خود مغرب کے تجدد پسند نہیں ہو سکتے، جسطرح بے چون چرا امریکہ اور روس کے اصلاحی اور تعلیمی منصوبوں کو قبول کیا جا رہا ہے۔ جسطرح ان کے ماہرین فن کو ان ملکوں کے ذہن و مزاج کی تبدیلی کا نقشہ بنانے کی اجازت دی جا رہی ہے، جس جوش و خروش اور عزم و فیصلہ کے ساتھ ٹیلی ویژن کو (بغیر کسی بنیادی تبدیلی و اصلاح کے) گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور مختلف ذرائع سے اسکو زیادہ سے زیادہ قابل حصول بنایا جا رہا ہے۔ جسطرح مستشرقین کے بعض سعادت مند شاگردوں کو اسلامی معاشرہ میں تشکیک و انتشار پیدا کرنے کے وسائل اور مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں جسطرح مختلف ذرائع سے تفریح و تعیش کا رجحان پیدا کیا جا رہا ہے، عورتوں کی غیر محدود آزادی و بے پردگی، مخلوط تعلیم، فلم سازی کی صنعت کی ہمت افزائی اور سرپرستی کی جا رہی ہے۔

اس سے شبہ ہوتا ہے، کہ یہ سربراہ ان مغربی طاقتوں کے (دانستہ یا نادانستہ) آلۂ کار اور ان کے تخریبی مقاصد میں ہم نوا تو نہیں بن گئے ہیں۔؟ اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان عوام کو اس دینی غیرت، اخلاقی شعور، خیر و شر کی تمیز اور حیا و بے حیائی کے مفہوم ہی سے ناآشنا بنا دینا چاہتے ہیں۔ جو بعض اوقات ان کی انفرادی بے راہ روی، تجدد و مغرب پرستی کی راہ میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے۔ اور جو کسی وقت بھی ایک دینی انقلاب، اور نشأۃ ثانیہ بن کر ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ اگر تبدیلی یا "اصلاحات" کا یہ عمل چند برس اور جاری رہا، اور اخلاقی تخریب و انتشار کے ان وسائل کو کچھ عرصہ آزادی کیساتھ اپنا کام کرنے کا موقعہ ملا۔ تو ان ملکوں کی وہ نسل

جس میں نئے اثرات قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے، اتنی متاثر ہو جائے گی کہ وہ اس تجدد و مغربیت کی راہ میں کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ کر سکے گی، جہاں تک اس نئی نسل کا تعلق ہے، جو اس ماحول میں پروان چڑھے گی، تو اس کے یہاں کسی مخالفت یا اختلاف رائے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہے گا، اس کا بھی قوی خطرہ ہے (اور اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں) کہ ان ممالک کا ایک بڑا طبقہ بالخصوص مرفہ الحال، اور با اختیار طبقہ اس اخلاقی جذام میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس کا مغرب پوری طرح شکار ہو چکا ہے، اور پھر شاید پوری دنیا میں کوئی ایسا صحت مند معاشرہ ہی باقی نہیں رہے گا جس پہ دنیا کی دوبارہ روحانی اور اخلاقی تطہیر کے کام میں اعتماد کیا جا سکے۔

جہاں تک مغرب کا تعلق ہے، وہ عالم اسلام کے بارے میں کبھی مخلص اور نیک نیت نہیں ہو سکتا، یہ اس پچھلی تاریخ کا بھی تقاضا ہے، جس پہ صلیبی جنگوں کے گھنے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سلطنتِ عثمانیہ، اور مغربی ممالک کی طویل اور خون ریز آویزش کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ یہ حقیقت پسندی اور عقل عملی کا بھی تقاضا ہے کہ صرف عالم اسلام ہی میں مغرب کے عالم گیر اقتدار کو چیلنج کرنے اور ایک ایسا نیا بلاک بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے جس کی بنیاد جداگانہ فلسفۂ زندگی اور عالم گیر دعوت پر ہو یہ اُن قدرتی وسائل اور ذخائر کی قدر و قیمت کے احساس کا بھی نتیجہ ہے جو عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بڑی افراط اور فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور جو مغرب کے صنعتی و تجارتی، نیز سیاسی اقتدار کے لئے بڑی اہمیت اور بعض اوقات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آخر میں یہ انسانی فطرت کی ایک کمزوری کا تقاضا بھی ہے کہ اکثر انسان جب ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کو اس سے تسکین ہوتی ہے۔ کہ دوسرے بھی اس کے شریک حال ہو جائیں، اور تندرست و بیمار کے درمیان جو فرق ہے وہ مٹ جائے۔ انسانی فطرت کی اس کمزوری سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں، یا اس پر غالب آ جاتے ہیں، جن کے اندر پیغمبروں کی تعلیم کے اثر سے سچی خدا ترسی اور صحیح انسانیت دوستی پیدا ہو جاتی ہے، اور بد قسمتی سے مغرب صدیوں سے اس دولت سے محروم ہو چکا ہے، مغربی اقتدار اور فتوحات کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ جن ملکوں کو اس کے زیرِ سایہ آنے کا موقعہ ملا، ان کو وہ اخلاقی چھوت ضرور لگ گیا جو مغرب کے نقیبوں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور جیسا کہ بعض جری اور منصف مزاج مغربی مصنفین و ناقدین کا بیان ہے، مغرب کی سامراجی طاقتوں نے مشرقی ممالک میں اخلاقی انتشار پھیلانے اور تشکک پیدا کرنے کی منظم کوششیں کیں۔ مسیحیت کا حلقہ بگوش مغرب مسیحیت کے بارے میں خواہ کتنے

ہی متشکک وارتیابی (AGNOSTIC) واقع ہوا ہو، مسیحی عقائد کے بارے میں اسکی روشن خیالی و وسیع النظری خواہ الحاد و زندقہ کے حد تک پہنچی ہوئی ہو، لیکن مسلم اقوام اور عالم اسلام کے معاملہ میں وہ کٹر مسیحی واقع ہوا ہے ۔ وہ اس کے معاملہ میں اپنے جنم دشمن اور خون کے پیاسے یہودیوں تک سے مصالحت کر سکتا ہے ، اور ان کو مسلمانوں پر کھلی ترجیح دے سکتا ہے ۔ اس مذہبی تعصب کے علاوہ جو اسکی گھٹی میں پڑا ہوا ہے ، اور جو تقریباً اس کا مزاج بن چکا ہے ، اس کو اپنا مفاد بہر حال ہر چیز سے عزیز ہے ۔ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی اسلامی طاقت کی جب کسی غیر اسلامی طاقت سے ٹکر ہوئی تو اس نے ہمیشہ غیر اسلامی طاقت کا کھل کر ساتھ دیا اسکی درپردہ مدد کی ، جون ۱۹۶۷ء کے عرب و یہود تصادم نے اس بات کو روز روشن کیطرح ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے کسی ملت یا جماعت کو کسی مغربی یا مشرقی بلاک سے کسی مخلصانہ مدد اور مکمل رفاقت کی امید نہیں رکھنی چاہیئے ، اسکو ہر اقدام اور فیصلہ کے وقت خدا کے بعد اپنے ہی دست و بازو اور اپنے ہی وسائل پر اعتماد کرنا چاہیئے ۔

> جہاں تک اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور رہنماؤں کا تعلق ہے ، ان کو سمجھنا چاہیئے ، کہ اس اندھا دھند تجدّد و مغربیت اور تشکک و انتشار سے خواہ وقتی طور پر ان کو اور ان کے جانشینوں کو فائدہ پہنچے ۔ مجموعی طور پر ملّت کو ایسا نقصان پہنچے گا ، اور اس کی جڑیں اسطرح ہل جائیں گی ، کہ صدیوں تک اسکی تلافی نہ ہو سکے گی ۔

ان قوموں میں اپنی ساری کمزوریوں ، اور خرابیوں کے باوجود وہ طاقتور ایمانی جذبہ ، اللہ کے نام پر ایثار و قربانی کی صلاحیت ، اطاعت اور انقیاد کا ولولہ اور خلوص و محبت کی گرم جوشی پائی جاتی ہے ، جن سے تقریباً دنیا کی تمام مادہ پرست قومیں محروم ہو چکی ہیں ، اسلامی ملکوں کے یہ عوام اپنی قابل افسوس جہالت اور پسماندگی کے باوجود وہ بہترین مواد خام ہیں ، جن سے بہترین انسانی نمونے اور ماڈل تیار کیے جا سکتے ہیں ۔ ان کی سب سے بڑی طاقت ان کا ایمان و خلوص ، اور ان کی سادگی و گرمجوشی ہے ۔ اس طاقت نے بارہا محیّر العقول کارنامے انجام دئے ہیں ، اور بعض اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے ۔ اور جب کبھی ان ملکوں پر کوئی نازک وقت آیا ہے ، تو مسلم عوام کا یہی ایمانی جذبہ اور خلوص و سادگی کام آئی ہے ۔ خالص حقیقت پسندی اور واقعیت کی بنیاد پر بھی اس طاقت کی قدر کرنی چاہیئے ، اور اسکو اپنے ملکوں کی حفاظت و استحکام اور دنیا میں کوئی بڑا رول ادا کرنے کے لئے اپنا سب سے بڑا سہارا اور ذخیرہ سمجھنا چاہیئے ، لیکن اس تجدّد و مغربیت کے اثر سے

ان عوام کی اس طاقت کو وہ گھن لگتا جا رہا ہے۔ اور ان کے اندر ایک ایسا اخلاقی کینسر پیدا ہو رہا ہے جو ناقابل علاج ہے۔

مغرب کے ناقابل انکار علمی و صنعتی تفوق کو سامنے رکھ کر جس سے آنکھیں بند کر لینا نہ عقل کا تقاضا ہے نہ مذہب کی تعلیم، اور نہ عملاً ممکن، عالم اسلام کے سامنے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مسحور ہو کر اس کے پورے فلسفۂ زندگی، اس کے تصور کائنات، اس کے مابعد الطبیعاتی عقائد و تصورات، اس کے عمرانی و اجتماعی نظریات، اس کے اخلاقی نقطۂ نظر اور اس کے مسلک زندگی کو جوں کا توں قبول کر لیا جائے۔ اور اپنی ہستی کو اس کے سانچہ میں یکسر ڈھال دینے کی کوشش کی جائے۔ یہ اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ ایک مکمل اور ہمہ گیر ارتداد، اور روحانی و ذہنی خودکشی کے مرادف ہوگا، اور اس انسانیت کے ساتھ غداری اور بے وفائی جس کی آخری آس نبی خاتم کی اسی امت سے لگی ہوئی تھی، ایک ایسی غیر ضروری محنت اور سعی لاحاصل ہے، جس کا نتیجہ طویل و خون ریز ذہنی کشمکش، روحانی بے چینی، انسانی طاقتوں کے ضیاع، اور اضاعت وقت کے سوا کچھ نہیں، یہ ایک ایسی بنی بنائی مستحکم عمارت کی تخریب ہے، جس کے ملبہ پر دوسری عمارت تعمیر کرنے کے لئے نہ مواد خام موجود ہے، نہ تعمیری صلاحیتیں، نہ آب و ہوا اور ماحول سے مناسبت نہ ماضی سے ارتباط، عالم اسلام کے جن جن گوشوں، اور جن اسلامی ملکوں میں یہ کوشش کی گئی ناکام رہی، اور جب بھی اس مصنوعی اور غیر طبعی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اور عوام کو اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا موقع ملا، انہوں نے فوراً اس جھول کو اتار پھینکا جو نہ ان کے جسم پر قطع ہوئی تھی، اور نہ ان کے مزاج کے مطابق تھی، آج ترکی میں یہی نظر آ رہا ہے، اور مصر و شام میں بھی عنقریب یہی پیش آنے والا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مغرب سے علم و صنعت، ٹکنالوجی اور سائنس، اور ان علوم و تحقیقات میں جن کا تعلق تجربے، حقائق و واقعات، اور انسانی محنت و کاوش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لئے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کیساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا تابع اور خادم بنایا جائے جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کئے، اور جن کی وجہ سے ان کو خیر امت، اور آخری امت کا لقب ملا ہے، وسائل اور مقاصد کا یہ خوشگوار امتزاج جس سے سر دست مغرب بھی محروم ہے اور مشرق بھی۔ کہ مغرب تنہا قاہر وسائل کا سرمایہ دار ہے، اور صالح مقاصد میں محض تہی دامن اور مشرق (اسلامی) صالح مقاصد کا واحد اجارہ دار ہے۔

اور موثر وسائل سے یکسر محروم، مغرب گو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن کرنا نہیں چاہتا، اور صحیح الفاظ میں کرنا نہیں جانتا، اسلامی مشرق کرنا سب کچھ چاہتا ہے، لیکن کر کچھ نہیں سکتا. یہ صحت مند و صالح امتزاج دنیا کی قسمت بدل سکتا ہے، اور اسکو خودکشی و خودسوزی کے راستہ سے ہٹا کر فلاحِ دارین، اور سعادت ابدی کے راستہ پر ڈال سکتا ہے، یہ ایسا کارنامہ ہوگا جو تاریخ کے دھارے اور دنیا کی قسمت کو بدل کے رکھ دے گا. یہ کارنامہ وہی امت انجام دے سکتی ہے جو آخری پیغمبرؐ کی جانشین اور اسکی تعلیمات کی حامل و امین ہے. اس بناء پر عالم اسلام کا حقیقی نعرہ جس سے اس کے دشت و جبل گونجنے چاہئیں یہ ہے کہ ؎

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

مشرق کے ایک باہمت اور حوصلہ مند ملک جاپان نے اس اقدام کا ایک نہایت محدود اور اسلامی نقطۂ نظر سے بہت پست معیار کا تجربہ کیا، اس نے مغرب سے علم و صنعت میں ایسا استفادہ کیا، کہ استاد و شاگرد میں فرق کرنا مشکل ہوگیا. اسی کے ساتھ اس نے اپنے معتقدات اور اپنے تہذیبی خصائص و روایات قائم رکھے، لیکن بدقسمتی سے اس کے مذہبی معتقدات اور اسکی تہذیب نہ زمانۂ حال سے کوئی مطابقت رکھتی ہے. نہ اس کے اندر افادیت اور انسانی خدمت کا کوئی پہلو ہے. نہ اس میں عالمگیر پیام بننے کی صلاحیت ہے، یہ چند کہنہ اور فرسودہ معتقدات و روایات کا ایک مجموعہ ہے جس کو جدید جاپان اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے. اور یہ اسکی قوتِ ارادی اور اپنے ماضی سے وابستگی کا کرشمہ ہے کہ اس نے اسکو ابھی تک ترک نہیں کیا ہے. لیکن اسلامی ممالک کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، اس کے پاس ایسا دین، ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے، جس کے لئے قدیم و جدید کی اصطلاح بے معنی ہے. ایسی تہذیب جس کی اساس حقائق ابدی پر ہے، یہ ایک سدا بہار درخت ہے، جو کسی وقت بھی نمو کی طاقت اور برگ و بار لانے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتا. اس بناء پر ان ممالک کے لئے جدید علم و صنعت اور اپنے ابدی عقائد و حقائق کے درمیان اتحاد و تعاون پیدا کرنے میں قطعاً کوئی زحمت پیش نہیں آسکتی، اور اس کے نتائج اس سے کہیں زیادہ انقلاب انگیز اور عالمگیر اثرات رکھنے والے نکل سکتے ہیں، جتنے کہ جاپان کے اس تجربہ سے برآمد ہوئے. جاپان اور ہر روایت پرست ملک میں یہ کوشش شیشہ و آہن اور پنبہ و آتش کی ہم آمیزی کی کوشش کے مرادف ہے، لیکن ایک مسلمان کے نزدیک اس میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے. اس کے نزدیک دین صحیح اور علم صحیح

کاٹکراؤ ممکن نہیں، اور اس کے نزدیک حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔ اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ اس کے نزدیک وسائل کے خیر و شر ہونے کا فیصلہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کن مقاصد کے ماتحت استعمال ہوتے ہیں، اس کے نزدیک ہر طاقت، ہر تحقیق، ہر علم، ہر مؤثر ذریعہ اسی لئے ہے کہ وہ خدا کے دین کے لئے استعمال ہو، اور مخلوق کے فائدے کے کام آئے، اس کا فرض ہے کہ وہ اسکو غلط محل سے نکال کر صحیح محل میں استعمال کرے۔ اور اس کو تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بنائے لیکن اس کام کے لئے وہ ذہانت "جرأت اندیشہ" اور وہ ایمان و خلوص درکار ہے جو ہر تقلیدی رجحان، ہر چلتے ہوئے نعرے اور فیشن، اور ہر شخصی و جماعتی مفاد کا مقابلہ کر سکے۔ جس کی خاطر ہمارے اسلامی ملکوں کے سربراہ، اُس سب ایثار و قربانی پر آمادہ ہوں، جو اس کے لئے مطلوب ہے، اور جس کے نتیجہ یا انعام کے طور پر اوّلاً ان کو اپنے ملکوں میں محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہوگا جو اور کسی ذریعہ سے ان کو حاصل نہیں ہو سکتا، پھر ان کو اور ان کے ذریعہ ان کے ملکوں کو ہدایت و امامت کا وہ منصب رفیع میسر آئے گا جس کا وہ ابھی خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے، وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنا پر نہیں جی رہی ہے، بلکہ اس لئے کہ بدقسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اسکی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر اور اسکی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں، اب اگر اسلامی ممالک اور عالم اسلام مجموعی طور پر اس خلا کو پُر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالم انسانی میں پیدا ہوگا، تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جا سکتا ہے جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جری و قوی اور تازہ دم ملّت یا قیادت کے سپرد کیا جاتا رہا ہے۔

اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا مغرب کی دائمی غاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے۔ یا دنیا کی رہنمائی کا منصب عالی، اور عالم انسانی کی ہدایت کی مسند رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھ کر کوئی سرفرازی اور سربلندی نہیں، کیا اس کے لئے ظاہری نام و نمود، عہدہ، منصب، لذت و راحت اور مادی و جسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے، اگر اس کے لئے سو جانیں بھی قربان کی جائیں تو درحقیقت گھاٹے کا سودا، اور زیان و نقصان کا معاملہ نہیں ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا اسلامی ملک اس کارِ عظیم کی ہمت کرتا ہے، جس سے زیادہ انقلاب انگیز

عہد آفرین اور حیات بخش کوئی کام اس دور میں نہیں ہو سکتا، اور جس کے سامنے یورپ کی نشاۃ ثانیہ، انقلاب فرانس اور روس کا فلسفۂ اشتمالیت اور مارکسی دعوت ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں، اس میں ذہانت و جرأت کا جو عنصر اور حیات آفرینی و انقلاب انگیزی کی جو صلاحیت مضمر ہے، اس سے نہ صرف ان ممالک کو جن میں یہ تجربہ کیا جائیگا، بلکہ پورے عالم انسانی کو فکر و عمل کا جو نیا میدان ہاتھ آئیگا، اور راستی و سلامتی کی جو راہ ملے گی، اسکو سامنے رکھتے ہوئے وہ پچھلے انقلابات ایک جرأت رندانہ اور ایک حرکت طفلانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، یہ کار عظیم صرف وہی اقوام و ملل اور وہی جماعتیں و افراد انجام دے سکتے ہیں جو ملت ابراہیمی کے حلقہ بگوش ہیں، اور جو تکمیل دین، اور ختم نبوت کے انعام و مژدہ سے سرفراز ہو چکے ہیں، آج عالم اسلام کے تمام قائدین کے لئے سرود ازلی ہے۔ کہ — وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ؕ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ؕ ملۃ ابیکم ابراھیم ؕ ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس۔ فاقیموا الصّلوٰۃ وآتوا الزّکوٰۃ واعتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولٰی ونعم النّصیر ؕ (سورہ الحج)

*

اسلامی کتب

۱۔ دنیا میں جنّت — حج بیت اللہ کی معلومات، دیس دیس کا سفرنامہ، حالات یورپ۔
۲۔ دیار حبیب ﷺ — مدینہ طیبہ، مسجد اقصیٰ وغیرہ کے دلچسپ حالات۔
۳۔ سرمایۂ آخرت — جنّت و دوزخ اور آخرت کی تفصیلات۔
(مصنف: راؤ شمشیر علی خان صاحب انٹرنیشنل تبلیغی مشن لندن)

بساط ادب کشمیری بازار — لاہور

جمال شفاخانہ رجسٹرڈ نوشہرہ ضلع پشاور | دیرینہ، پیچیدہ، جسمانی، روحانی امراض کے خاص معالج

احکام زکوٰۃ و فضائل رمضان مرتبہ مولانا محمد احمد صاحب تھانوی — یہ بہترین رسالہ صرف دس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیں — پتہ: سعید احمد قادری دہلوی ۱۴۰ خواجہ شہاب الدین مارکیٹ صدر کراچی ۳